

حرفِ اول

بسم الله الرحمن الرحيم

فريضہ حج اور حیاتِ ابراہیمی کے مراحل

حج درحقیقت ایک فرض عبادت ہے ہر زاویہ پر رکھنے والے صاحب استطاعت مسلمان پر از روئے نص قرآنی: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران) ”اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر (بیت اللہ) تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔“ پھر حج میں جو مناسک ادا کیے جاتے ہیں ان کو شعائر اللہ قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اِعْتَصَفَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطُوفَ بِهَمَا﴾ (آیت ۱۵۸) ”یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کر لے۔“

سورۃ الحج میں فرمایا کہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ — جبکہ بیت اللہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا شیرہ ہے۔ شعائر کے مجازی معنی ہیں ”وہ چیزیں جن کے ادب و احترام کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔“ اس کے ایک مجازی معنی نشانی اور علامت کے بھی آتے ہیں۔ حج کے یہ سب شعائر کیا ہیں؟ دراصل یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے مختلف مراحل ہیں۔ یہ اسی داستانِ عزیمت و امتحان کے مختلف ابواب اور ان کے اوراق ہیں جن کی ہر سال یاد منائی جاتی ہے۔ یہ جو بین الصفا والمروۃ سعی ہو رہی ہے یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کی اس عالم بے تابی کی نشانی ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو وادیِ غیر ذی زرع میں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور وہ ننھی سی جان اسماعیلؑ پیاس سے تڑپ رہی تھی اور حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ دوڑی تھیں اور ہر چکر میں پہاڑ پر چڑھ کر پانی ڈھونڈنے کے لیے چاروں طرف نگاہیں دوڑاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی اس مؤمنہ بندی کی یہ ادا تھی بھائی کہ حج اور عمرہ کرنے والوں کے لیے سعی میں دوڑنے کو شعائر اللہ میں سے قرار دے دیا۔ یہ اس لیے بھی ہوا کہ یہ حضرت ہاجرہ کے اللہ پر توکل اور صبر کی بھی ایک عظیم الشان (باقی صفحہ 38 پر)

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آیات ۹۷ تا ۱۰۳

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا
لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ
وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۝ وَلَقَدْ
أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ۝ أَوْ كَلِمَاتٍ
عَلَّهَدُوا عَهْدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَمَّا
جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَى مُلْكٍ سَلِيمٍ ۝ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ
وَلَكِنَّ الشَّيْطَانُ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السَّحَرَهُ وَمَا أَنْزَلَ عَلَى
الْمَلَائِكَةِ يَبَاطِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يَعْلَمُ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا
إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمُرءِ
وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا
يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۝ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ
أَفْقَاهُ وَاتَّقَوْا لَأَمْسُوتَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝﴾

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت یہود کے لیے بہت بڑی آزمائش ثابت ہوئی۔ اُن کا خیال تھا کہ آخری نبوت کا وقت قریب ہے اور یہ نبی بھی حسب سابق بنی اسرائیل میں سے مبعوث ہوگا۔ لیکن نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت بنی اسماعیل میں سے ہوگئی۔ یہود جس احساس برتری کا شکار تھے اس کی رو سے وہ بنی اسماعیل کو حقیر سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ اُمّی لوگ ہیں، اُن پڑھ ہیں، ان کے پاس نہ کوئی کتاب ہے نہ شریعت ہے اور نہ کوئی قانون اور ضابطہ ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے ایک شخص کو کیسے جنم لیا؟ ان کا خیال تھا کہ یہ سب جبرائیل کی ”شرارت“ ہے کہ وہ وحی لے کر محمد عربی (ﷺ) کے پاس چلا گیا۔ لہذا وہ حضرت جبرائیل کو اپنا دشمن تصور کرتے تھے اور انہیں گالیاں دیتے تھے۔

یہ بات شاید آپ کو بڑی عجیب لگے کہ اہل تشیع میں سے فرقہ ”غرابیہ“ کا عقیدہ بھی کچھ اسی طرح کا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے مکاتیب میں اس فرقے کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت علیؓ دونوں کی ارواح ایک دوسرے کے بالکل ایسے مشابہ تھیں جیسے ایک غراب (کوا) دوسرے غراب کے مشابہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت جبرائیلؑ دھوکہ کھا گئے۔ اللہ نے تو وحی بھیجی تھی حضرت علیؓ کے پاس، لیکن وہ لے گئے حضرت محمد ﷺ کے پاس۔ یہود کے ہاں یہ عقیدہ موجود تھا کہ اللہ نے تو جبرائیل (علیہ السلام) کو بنی اسرائیل میں سے کسی کے پاس بھیجا تھا، لیکن وہ محمد (ﷺ) کے پاس چلے گئے اور یہی مفروضہ ان کی حضرت جبرائیلؑ سے دشمنی کی بنیاد تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ((لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ حَذَوُ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ)) (۱) ”میری اُمت پر بھی وہ تمام احوال لازماً وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے تھے، جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے۔“ چنانچہ اُمت مسلمہ میں سے کسی فرقے کا اس طرح کے عقائد اپنالینا کچھ بعید نہیں ہے۔ اس سے اس حدیث کی حقیقت منکشف ہوتی ہے۔

آیت ۹۷ ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ﴾ ”(اے نبی!) کہہ دیجیے جو کوئی بھی دشمن ہو جبرائیل کا“

﴿فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”تو (وہ یہ جان لے کہ) اُس نے تو نازل کیا ہے اس قرآن کو آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے“

(۱) سنن الترمذی، کتاب الایمان عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی افتراق هذه الامة۔

اس معاملے میں جبرائیل کو تو کچھ اختیار حاصل نہیں۔ فرشتے جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں، اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرتے۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ”یہ تصدیق کرتے ہوئے آیا ہے اُس کلام کی جو اس

کے سامنے موجود ہے“

﴿وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور ہدایت اور بشارت ہے اہل ایمان

کے لیے۔“

اس کے بعد اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ اس کے رسول اور اُس کے ملائکہ سب ایک حیاتیاتی وحدت (organic whole) کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ ایک جماعت ہیں، ان میں کوئی اختلاف یا افتراق نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی جبرائیل کا دشمن ہے تو وہ اللہ کا دشمن ہے، اور اگر کوئی اللہ کے سچے رسول کا دشمن ہے تو وہ اللہ کا بھی دشمن ہے اور جبرائیل کا بھی دشمن ہے۔

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ﴾ ”(تو کان کھول کر سن لو) جو کوئی بھی دشمن ہے اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اعلان ہے کہ) اللہ ایسے کافروں کا دشمن ہے۔“

﴿وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کی طرف نازل کردی ہیں روشن آیات۔“

﴿وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ﴾ ”اور انکار نہیں کرتے ان کا مگر وہی جو

سُرکش ہیں۔“

یاد کیجیے سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع میں یہ الفاظ آئے تھے: ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾ ”اور وہ گمراہ نہیں کرتا اس کے ذریعے سے مگر فاسقوں کو۔“

﴿أَوْ كَلَّمَا طَعُدُوا عَهْدًا﴾ ”تو کیا (ہمیشہ ایسا ہی نہیں ہوتا رہا ہے کہ) جب کبھی بھی انہوں نے کوئی عہد کیا“

اللہ سے کوئی بیٹاق کیا یا اللہ کے رسولوں سے کوئی عہد کیا۔

﴿نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ﴾ ”ان میں سے ایک گروہ نے اسے اٹھا کر پھینک دیا۔“

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ”بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو یقین نہیں رکھتے۔“

ان کی اکثریت ایمان و یقین کی دولت سے تہی دامن ہے۔
یہی حال آج اُمتِ مسلمہ کا ہے کہ مسلمان تو سب ہیں، لیکن ایمانِ حقیقی، ایمانِ قلبی یعنی یقین والا ایمان کتنے لوگوں کو حاصل ہے؟ ع ”ڈھونڈا اب ان کو چراغِ رخِ زیبالے کرا!“
آیت ۱۰ ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ ”اور جب آیا اُن کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول (یعنی محمد ﷺ)“

﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ ”تصدیق کرنے والا اُس کتاب کی جو ان کے پاس موجود ہے“

﴿لَقَدْ خَرَّ مِنْهُ الْغَوِيُّ ذَرًّا ۚ وَأُتُوا الْكِتَابَ ۖ كَتَبَ اللَّهُ ذَرًّا ۚ وَرَأَىٰ ظُهُورَهُمْ﴾ ”تو اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا“
﴿كَانَتْهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں۔“

علماءِ یہود نے نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد کی پیشین گوئیاں چھپانے کی خاطر خود تورات کو پس پشت ڈال دیا اور بالکل انجانے سے ہو کر رہ گئے۔ ان کے عوام پوچھتے ہوں گے کہ کیا یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر تم کیا کرتے تھے؟ لیکن یہ جواب میں کہتے کہ یقین ہے نہیں کہہ سکتے ابھی تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو! انہوں نے ایسا رویہ اپنا لیا جیسے انہیں کچھ علم نہیں ہے۔

اب ایک اور حقیقت نوٹ کیجیے۔ جب کسی مسلمان اُمت میں دین کی اصل حقیقت اور اصل تعلیمات سے بُعد پیدا ہوتا ہے تو لوگوں کا رجحان جادو، ٹوٹے، ٹوٹکے، تعویذ اور عملیات وغیرہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ اللہ کی کتاب تو ہدایت کا سرچشمہ بن کر اُترتی تھی، لیکن یہ اُس کو اپنی دنیوی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بناتے ہیں۔ چنانچہ دشمن کو زیر کرنے اور محبوب کو قدموں میں گرانے کے لیے ”عملیاتِ قرآنی“ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ دھندے ہمارے ہاں بھی خوب چل رہے ہیں اور شاید سب سے زیادہ منفعت بخش کاروبار یہی ہے جس میں نہ تو کوئی محنت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی سرمایہ کاری کی۔ بنی اسرائیل کا بھی یہی حال تھا کہ وہ دین کی اصل حقیقت کو چھوڑ کر جادو کے پیچھے چل پڑے تھے۔ فرمایا:

آیت ۱۰۲ ﴿وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمَنَ﴾ ”انہوں نے

پیروی کی اُس علم کی جو شیاطین پڑھا کرتے تھے سلیمان کی بادشاہت کے وقت“
اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ اُس وقت چونکہ ان کا
انسانوں کے ساتھ زیادہ میل جول رہتا تھا لہذا یہ انسانوں کو جادو وغیرہ سکھاتے رہتے تھے۔

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَنُ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانُ كَفَرُوا﴾ ”اور سلیمان نے کبھی کفر نہیں
کیا، بلکہ یہ تو شیاطین تھے جو کفر کرتے تھے“

﴿يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ ”وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔“
جادو کفر ہے، لیکن آپ کو آج بھی ”نقش سلیمانی“ کی اصطلاح سننے کو ملے گی۔ اس
طرح بعض مسلمان بھی ان چیزوں کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کر رہے ہیں اور وہ ظلم
اب بھی جاری ہے۔

﴿وَمَا أَنزَلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ﴾ ”اور (وہ اُس علم
کے پیچھے پڑے) جو نازل کیا گیا دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر بابل میں۔“

بابل (Babylonia) عراق کا پرانا نام تھا۔ یروشلم پر حملہ کرنے والا بخت نصر
(Nebuchadnezzar) بھی یہیں کا بادشاہ تھا اور نمرود بھی بابل ہی کا بادشاہ تھا۔ نمرود
عراق کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا جس کی جمع ”نماردة“ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور
حکومت میں جنات اور انسانوں کا باہم میل جول ہونے کی وجہ سے جنات لوگوں کو جادوگری کی
تعلیم دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آخری آزمائش کے لیے دو فرشتوں کو زمین پر اتارا جو
انسانی شکل و صورت میں لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ وہ خود ہی یہ واضح کر دیتے تھے کہ دیکھو
جادو کفر ہے، ہم سے نہ سیکھو۔ لیکن اس کے باوجود لوگ سیکھتے تھے۔ گویا ان پر اتمام حجت ہو گیا
کہ اب ان کے اندر خباثت پورے طریقے سے گھر کر چکی ہے۔

﴿وَمَا يُعَلِّمِينَ مِنْ أَحَدٍ﴾ ”اور وہ نہیں سکھاتے تھے کسی کو بھی“
﴿حَتَّى يَقُولَ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرُوا﴾ ”یہاں تک کہ وہ کہہ دیتے تھے کہ
دیکھو ہم تو آزمائش کے لیے بھیجے گئے ہیں، پس تم کفر مت کرو۔“

﴿فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ﴾ ”پھر وہ سیکھتے تھے

اُن دونوں سے وہ شے جن کے ذریعے سے آدمی اور اُس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے تھے۔“

شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا اور لوگوں کے گھروں میں فساد ڈالنا، اس طرح کے کام اب بھی بعض عورتیں بڑی سرگرمی سے سرانجام دیتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے تعویذ، گنڈے دھاگے اور نہ جانے کیا کچھ ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔

﴿وَمَا هُمْ بِبَصَّارِينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”اور نہیں تھے وہ ضرر پہنچانے والے اس کے ذریعے کسی کو بھی اللہ کے اِذن کے بغیر۔“

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ مؤمن کو یہ یقین ہو کہ اللہ کے اِذن کے بغیر نہ کوئی چیز فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی نقصان۔ چاہے کوئی دوا ہو وہ بھی باذن رب کام کرے گی ورنہ نہیں۔ جو کوئی بھی اسباب طبعیہ ہیں ان کے اثرات بھی ظاہر ہوں گے اگر اللہ چاہے گا، اس کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ جادو کا اثر بھی اگر ہوگا تو اللہ کے اِذن سے ہوگا۔ چنانچہ بندہ مؤمن کو اللہ کے بھروسے پڑنے رہنا چاہیے اور مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

﴿وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ ”اور وہ سیکھتے تھے وہ چیزیں جو خود اُن کو بھی ضرر پہنچانے والی تھیں اور انہیں نفع نہیں پہنچاتی تھیں۔“

﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ﴾ ”حالانکہ وہ خوب جان چکے تھے کہ جو بھی اس چیز کا خریدار بنا (یعنی جادو سیکھا) اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔“

﴿وَلَيْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ﴾ ”اور بہت ہی بری تھی وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا۔“

﴿لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ ”کاش انہیں علم ہوتا!“

آیت ۱۰۳ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا﴾ ”اور اگر وہ ایمان رکھتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے“

﴿لَكُمُؤْتَةٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ﴾ ”تو بدلہ پاتے اللہ کی طرف سے بہت ہی اچھا۔“

﴿لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ ”کاش اُن کو معلوم ہوتا!“

آیات ۱۰۴ تا ۱۱۲

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَا نُنْسخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ أَمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلُوا مُوسَى مِنْ قَبْلُ ۚ مَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ وَكَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرِي ۚ يَلْكَ أَمَانِيهِمْ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَى ۚ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝﴾

آیت ۱۰۴ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا﴾ ”اے ایمان والو تم راعنا مت کہا کرو“

﴿وَقُولُوا انظُرْنَا﴾ ”بلکہ انظرنا کہا کرو“

﴿وَاسْمَعُوا﴾ ”اور توجہ سے بات کو سنو“

قبل ازیں منافقین بنی اسرائیل کا ذکر ہوا تھا، جن کا قول تھا: ”سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا“۔ اب یہاں اُن منافقین کا طرز عمل بیان ہو رہا ہے جو مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے اور یہود کے زیر اثر تھے۔ یہودی اور ان کے زیر اثر منافقین جب رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بیٹھے تھے تو اگر آپؐ کی کوئی بات انہیں سنائی نہ دیتی یا سمجھ میں نہ آتی تو وہ رَاْعِنَا کہتے تھے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور (ﷺ!) ذرا ہماری رعایت کیجیے بات کو دوبارہ دہرا دیجیے ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اہل ایمان بھی یہ لفظ استعمال کرنے لگے تھے۔ لیکن یہود اور منافقین اپنے حبثِ باطن کا اظہار اس طرح کرتے کہ اس لفظ کو زبان دبا کر کہتے تو ”رَاْعِنَا“ ہو جاتا (یعنی اے ہمارے چرواہے!) اس پر دل ہی دل میں خوش ہوتے اور اس طرح اپنی خباثتِ نفس کو غذا مہیا کرتے۔ اگر کوئی ان کو نوک دیتا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو تو جواب میں کہتے ہم نے تو رَاْعِنَا کہا تھا معلوم ہوتا ہے آپؐ کی سماعت میں کوئی خلل پیدا ہو چکا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم اس لفظ سے بچو اور اس کی جگہ کہا کرو: اَنْظُرْنَا۔ یعنی اے نبیؐ ہماری طرف توجہ فرمائیے! یا ہمیں مہلت دیجیے کہ ہم بات کو سمجھ لیں۔ اور دوسرے یہ کہ توجہ سے بات کو سنا کر وتا کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

﴿وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”اور ان کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“
آیت ۱۰۵ ﴿مَا يَوْذُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ ”اور انہیں چاہتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے کہ نازل ہو تم پر کوئی بھی خیر تمہارے رب کی طرف سے۔“

جن لوگوں نے دعوتِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین مکہ میں سے وہ اس بات پر حسد کی آگ میں جل رہے ہیں کہ یہ کلام پاک آپؐ پر کیوں نازل ہو گیا اور ”خاتم النبیین“ کا یہ منصب آپؐ کو کیوں مل گیا۔ وہ نہیں چاہتے کہ اللہ کی طرف سے کوئی بھی خیر آپؐ کو ملے۔

﴿وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ ”اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے۔“

یہ تو اس کا اختیار اور اس کا فیصلہ ہے۔

﴿وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔“
 آیت ۱۰۶ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا﴾ ”جو بھی ہم منسوخ کرتے ہیں کوئی آیت یا اسے بھلا دیتے ہیں“
 ایک تو ہے نسخ یعنی کسی آیت کو منسوخ کر دینا اور ایک ہے حافظے سے ہی کسی شے کو محو کر دینا۔

﴿ثَابِتٌ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾ ”تو ہم (اُس کی جگہ پر) لے آتے ہیں اُس سے بہتر یا (کم از کم) ویسی ہی۔“
 ﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے؟“ اسے ہر شے کا اختیار حاصل ہے۔

اس آیت کا اصل مفہوم اور پس منظر سمجھ لیجیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ کا دین آدم سے لے کر ایں دم تک ایک ہی ہے۔ نوح علیہ السلام کا دین، موسیٰ علیہ السلام کا دین، عیسیٰ علیہ السلام کا دین اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ایک ہی ہے، جبکہ شریعتوں میں فرق رہا ہے۔ اس فرق کا اصل سبب یہ ہے کہ نوع انسانی مختلف اعتبارات سے ارتقاء کے مراحل طے کر رہی تھی۔ ذہنی پختگی، شعور کی پختگی اور پھر تمدنی ارتقاء (social evolution) مسلسل جاری تھا۔ لہذا اُس ارتقاء کے جس مرحلے میں رسول آئے اسی کی مناسبت سے ان کو تعلیمات دے دی گئیں۔ ان تعلیمات کے کچھ حصے ایسے تھے جو ابدی (eternal) ہیں وہ ہمیشہ رہیں گے، جبکہ کچھ حصے زمانے کی مناسبت سے تھے۔ چنانچہ جب اگلا رسول آتا تو اُن میں سے کچھ چیزوں میں تغیر و تبدل ہو جاتا، کچھ چیزیں نئی آ جاتیں اور کچھ پرانی ساقط ہو جاتیں۔ یہ معاملہ نسخ کہلاتا ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ تعین کے ساتھ کسی حکم کو منسوخ فرما دیتے ہیں اور اس کی جگہ نیا حکم بھیج دیتے ہیں یا کسی شے کو سرے سے لوگوں کے ذہنوں سے خارج کر دیتے ہیں۔ یہودی یہ اعتراض کر رہے تھے کہ اگر یہ دین وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا تھا تو پھر شریعت پوری وہی ہونی چاہیے۔ یہاں اس اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔

پھر نسخ و منسوخ کا مسئلہ قرآن میں بھی ہے۔ قرآن میں بھی تدریج کے ساتھ شریعت کی تکمیل ہوئی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا، شریعت کا ابتدائی خاکہ (blue print) سورۃ البقرۃ میں مل جاتا ہے، لیکن شریعت کی تکمیل سورۃ المائدہ میں ہوئی ہے۔ یہ جو

تقریباً پانچ چھ سال کا عرصہ ہے اس میں کچھ احکام دیے گئے پھر اُن میں رد و بدل کر کے نئے احکام دیے گئے اور پھر آخر میں یہ ارشاد فرمادیا گیا: ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ۳) ”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا ہے۔“ تو یہ ناخ و منسوخ کا مسئلہ صرف سابقہ شریعتوں اور شریعت محمدیؐ کے مابین ہی نہیں ہے بلکہ خود شریعت محمدیؐ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بھی زمانی اعتبار سے ارتقاء ہوا ہے۔ مثال کے طور پر پہلے شراب کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اس میں گناہ کا پہلو زیادہ ہے اگرچہ کچھ فائدے بھی ہیں۔ اس کے بعد حکم آیا کہ اگر شراب کے نشے میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔ پھر سورۃ المائدہ میں آخری حکم آ گیا اور اسے گنداشیطانی کام قرار دے کر فرمایا گیا: ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ ”تو کیا اب بھی باز آتے ہو یا نہیں؟“ اس طرح تدریجاً کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر لے آتے ہیں یا کم از کم اُس جیسا دوسرا حکم لے آتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اُس کا اختیار کامل ہے وہ مالک الملک ہے دین اُس کا ہے اس میں وہ جس طرح چاہے تبدیلی کر سکتا ہے۔

﴿أَلَمْ تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں کی اور زمین کی؟“
 ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ ”اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی بھی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔“

﴿أَمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ﴾ ”کیا تم مسلمان بھی یہ چاہتے ہو کہ سوالات (اور مطالبے) کرو اپنے رسولؐ سے اُسی طرح جیسے اس سے پہلے موسیٰؑ سے کیے جا چکے ہیں؟“

مثلاً اُن سے کہا گیا کہ ہم آپؐ کی بات نہیں مانیں گے جب تک کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں۔ اسی طرح کے اور بہت سے مطالبے حضرت موسیٰؑ سے کیے جاتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اُس روش سے باز رہو ایسی بات تمہارے اندر پیدا نہیں ہونی چاہیے۔

﴿وَمَنْ يَتَّبِدَلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ ”اور جو کوئی ایمان کے بدلے کفر لے لے گا وہ تو بھٹک چکا سیدھی راہ سے۔“

ظاہر ہے کہ جو منافقین اہل ایمان کی صفوں میں شامل تھے وہی ایسی حرکتیں کر رہے ہوں گے۔ اس لیے فرمایا کہ جو کوئی ایمان کو ہاتھ سے دے کر کفر کو اختیار کر لے گا وہ تو راہِ راست سے بھٹک گیا۔ منافق کا معاملہ دو طرفہ ہوتا ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں منافقین کے لیے ”مُذَبِّذِينَ بَيْنَ ذَلِكَ“ کے الفاظ آئے ہیں۔ اب اس کا بھی امکان ہوتا ہے کہ وہ کفر کی طرف یکسو ہو جائے اور اس کا بھی امکان ہوتا ہے کہ بالآخر ایمان کی طرف یکسو ہو جائے۔ جو شخص ایمان اور کفر کے درمیان معلق ہے اُس کے لیے یہ دونوں امکانات ہیں۔ جو کفر کی طرف جا کر مستقل طور پر ادھر راغب ہو گیا یہاں اس کا ذکر ہے۔

﴿وَلَا كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّوْكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا﴾ ”اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں پھر کر تمہارے ایمان کے بعد تمہیں پھر کافر بنادیں۔“

یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی بلی کی دُم کٹ جائے تو وہ یہ چاہے گی کہ ساری بلیوں کی دُمیں کٹ جائیں تاکہ وہ علیحدہ سے نمایاں نہ رہے۔ چنانچہ اہل کتاب یہ چاہتے تھے کہ اہل ایمان کو بھی واپس کفر میں لے آیا جائے۔

﴿حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ﴾ ”بسبب ان کے دلی حسد کے“

ان کا یہ طرزِ عمل ان کے حسد کی وجہ سے ہے کہ یہ نعمت مسلمانوں کو کیوں دے دی گئی؟ ﴿مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ ”اس کے بعد کہ اُن پر حق بالکل واضح ہو چکا ہے۔“

وہ حق کو جان چکے ہیں اور پہچان چکے ہیں کسی مغالطے یا غلط فہمی میں نہیں ہیں۔ ﴿فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا﴾ ”تو (اے مسلمانو!) تم معاف کرتے رہو اور صرف نظر سے کام لو“

یہ بہت اہم مقام ہے۔ مسلمانوں کو باور کرایا جا رہا ہے کہ ابھی تو مدنی دور کا آغاز ہو رہا ہے، ابھی کشمکش اور مقابلہ و تصادم کے بڑے سخت مراحل آ رہے ہیں۔ چونکہ تمہارا

سب سے پہلا محاذ کفار مکہ کے خلاف ہے اور وہی سب سے بڑھ کر تم پر حملے کریں گے اور ان سے تمہاری جنگیں ہوں گی، لہذا یہ جو آستین کے سانپ ہیں، یعنی یہود ان کو ابھی مت چھیڑو۔ جب تک یہ خوابیدہ (dormant) پڑے رہیں انہیں پڑا رہنے دو۔ فی الحال ان کے طرزِ عمل کے بارے میں زیادہ توجہ نہ دو بلکہ غنودہ درگزر اور چشم پوشی سے کام لیتے رہو۔

﴿حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهَ بِأَمْرِهِ﴾ ”یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے۔“

ایک وقت آئے گا جب اے مسلمانو تمہیں آخری غلبہ حاصل ہو جائے گا اور جب تم باہر کے دشمنوں سے نمٹ لو گے تو پھر ان اندرونی دشمنوں کے خلاف بھی تمہیں آزادی دی جائے گی کہ ان کو بھی کیفرِ کردار تک پہنچادو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

﴿وَأَيُّمُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكَاةَ﴾ ”اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ

دیتے رہو۔“

﴿وَمَا تَقْدِمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”اور جو بھلائی بھی تم

اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔“

جو مال تم اللہ کی راہ میں خرچ کر رہے ہو وہ اللہ کے بینک میں جمع (deposit) ہو جاتا ہے اور مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔ لہذا اس کے بارے میں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ ”یقیناً جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔“

﴿وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا﴾ ”اور یہ کہتے

ہیں ہرگز داخل نہ ہوگا جنت میں مگر وہی جو یہودی ہو یا نصرانی ہو۔“

جب یہ نئی امت مسلمہ تشکیل پا رہی تھی تو یہودی اور نصرانی جو ایک دوسرے کے دشمن تھے، مسلمانوں کے مقابلے میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے مل کر یہ کہنا شروع کیا کہ جنت میں کوئی ہرگز نہیں داخل ہوگا سوائے اس کے جو یا تو یہودی ہو یا نصرانی ہو۔ اس طرح کی مذہبی جتنے بندیاں ہمارے ہاں بھی بن جاتی ہیں۔ مثلاً اعلیٰ حدیث کے مقابلے میں بریلوی اور دیوبندی جمع ہو جائیں گے، اگرچہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بیز اپنی جگہ ہے۔ جب ایک مشترکہ دشمن نظر آتا ہے تو پھر وہ لوگ جن کے اپنے اندر بڑے اختلافات ہوتے ہیں وہ بھی

ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے اس مشترکہ بیان کے جواب میں فرمایا: